Oriental College Magazine, Vol.102, No. 03, Serial No. 385, 2026

ساغر صدیقی کی شاعری (موضوعات و انفراد)

انیلہ سلیم، پی ایچ ڈی

ایسوسی ایٹ پروفیسر اُردو، ادارہ زبان و ادبیاتِ اُردو، جامعہ پنجاب، لاہور

The Poetry of Saghar Siddiqui
Major Themes and Distinctive Characteristics

Aneela Saleem, PhD
Associate Professor of Urdu
Institute of Urdu Language and Literature
University of the Punjab, Lahore

Abstract

Saghir Siddiqui is a relatively neglected poet of Urdu literature whose poetry, both during his lifetime and after his death, was published largely on the basis of popular interest rather than sustained literary scholarship. Although his poetic works are available and Yunus Adeeb's valuable writings and biographical work provide substantial material on his life, comparatively little critical attention has been devoted to the diverse dimensions of Saghir Siddiqui's poetry. His ghazal is significant not only for its classical poetic tradition but also for its distinctive individual expression and emotional intensity. His poetry encompasses a wide range of themes, including revolution, human emotions, religious devotion, Naat, and the experiences of poverty, helplessness, and deprivation. These thematic and stylistic dimensions reveal a poet whose work merits renewed critical consideration. The present study therefore attempts to revisit Saghir Siddiqui's poetry through a focused analysis of its diverse themes, emotional depth, classical influences, and individual poetic expression, with a view to highlighting aspects that have remained comparatively unexplored in existing scholarship.

Keywords:
Saghir Siddiqui, Yunus Adeeb, Ghazal, Naat, Urdu literature, Classical Poetry

ساغر صدیقی کی غزل کا ایک مصرع "زندگی جبر مسلسل کی طرح کاٹی ہے" میرے ساتھ ان سے تعارف کا ذریعہ بنا اور یہی خیال پختہ ہو گیا کہ ساغر کی شاعری کسی احساسِ محرومی سے معمور دل کی آواز ہے۔بعد از مطالعہ یہ واضح ہوا کہ موضوعاتی سطح پر ساغر کے ہاں بہت تنوع ہے۔ان کے ہاں سوز، گداز، نغمگی اور لفظی و معنوی سادگی موضوعاتی کثرت کے ساتھ موجود ہے۔اس کے عالم مدہوشی کے سجدے شعور کی لہر در لہر کو رواں رکھتے ہیں۔

"ادبی دنیا" میں محمد اختر ساغر صدیقی (۱۹۲۸۔۱۹۷۴ء) کی شاعری سے زیادہ زندگی کو موضوع سخن بنایا گیا۔یہ درست ہے کہ ان کی زندگی غیر معمولی نوعیت کی رہی۔لیکن اس کس مپرسی اور درویشی و فقیری کی حالت میں بھی رومان اور گل و گلزار سے بھرپور شاعری ان کے باطن کی تازگی کا پتا دیتی ہے۔

ساغر صدیقی کے ایک دوست سلیم یزدانی نے ان کا ایک مختصر انٹرویو کیا، یہ انٹرویو ساغر کی زندگی کے حالات ان کی اپنی زبان میں حالاتِ زندگی کی ایک اہم دستاویز ہے۔یہ اہم باتیں یوں محفوظ ہو گئیں کہ مدیر "ادبی دنیا" محمد عبداللہ قریشی نے اسے ساغر کے آخری شعری مجموعے "مقتل گل" میں ابتدائیے کے طور پر شامل کر دیا تھا۔ یہ تحریر ساغر کی کہانی ان کی اپنی زبانی ہے۔ یوں مستند اور اہم ہے۔اس میں انھوں نے اپنی زندگی کو زندان کی ایک کڑی بتایا ہے۔وہ ۱۹۲۸ءکے کسی ماہ میں انبالہ میں پیدا ہوئے وہی انبالہ جسے پنجابی اور اردو کا سنگھم سمجھا جاتا ہے۔محلے کے ایک بزرگ حبیب حسن صاحب سے تعلق قائم ہوا اور ان کے زیرِسایہ ہی شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔سات آٹھ سال کی عمر میں ساغر اردو میں اتنی مہارت حاصل کر چکے تھے کہ اکثر خط لکھوانے والے اپنی گذارشات کو ان کے انداز بیان میں سن کر عش عش کر اٹھتے۔ وہ اس دور کے تمام اردو روزناموں مثال کے طور پر زمیندار،احسان اور انقلاب کا مطالعہ بہت شوق سے کرتے تھے۔ان کا دعویٰ تھا کہ انھوں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی اردو کا کوئی لفظ غلط نہیں پڑھا یا لکھا۔

ساغر صدیقی نے پہلے پہل ناصر حجازی تخلص اختیار کیا لیکن بعد ازاں تبدیل کر کے ساغر صدیقی تخلص اختیار کیا۔سولہ سال کی عمر میں ۱۹۴۴ء میں ایک مشاعرے میں شرکت کی جو ان کی شاعرانہ زندگی کے لیے ایک بہترین آغاز ثابت ہوا۔امرتسر میں جامعہ السنہ ہال بازار علوم شرقیہ کی بہترین درس گاہ تھی وہاں ماہانہ طرحی مشاعرے ہوتے تھے۔ساغر ان مشاعروں میں

بہت جوش اور خوشی سے شریک ہوتے تھے۔ان دنوں وہ ادبی محفلوں میں بھی بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔۱۹۴۴ء ہی میں ڈاکٹر ایم ڈی تاثیر اور تاجور نجیب آبادی نے اردو مجلس کے نام سے ایک بزم کا آغاز کیا جس کا مقصد اردو زبان کا فروغ تھا۔اس بزم کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں میں ساغر باقاعدہ شرکت کرتے تھے۔جب امرتسر میں تھے تووہاں عرشی امرتسری۔ شمس مینائی۔فرخ امرتسری۔مرزا بیضا خان۔عیسیٰ امرتسری اور مروی ایرانی نے ساغر کی شاعرانہ صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے بہت داد و تحسین کی۔یہیں وہ علمی وادبی اجلاس بھی ہوا کرتے تھے جن میں ساغر کی موجودگی محسوس کی جانے لگی اور ان کے ترنم کے خوب چرچے ہوئے۔(۱)

ساغر کے بے لوث اور مخلص دوست یونس ادیب کی ملاقات بھی انھی دنوں اجلاسوں میں ہوئی۔ انھوں نے "ساغر۔۔۔میرا دوست" کے زیر عنوان تحریر میں یوں ذکر کیا ہے:

> "۱۹۴۵میں ساغر صابر کلیر کے عرس میں شریک ہوئے اس دور میں اس عرس کے آخری ایام میں کاشانہء احباب سہارنپور میں شعر و سخن کی ایک بزم منعقد کی جاتی تھی جس میں شہر کے بڑے اور نمایاں شعرا کو مدعو کیا جاتا تھا انور صابری نے اس محفل میں ساغر کو متعارف کروایا اسی محفل میں دلی کے نواب سائل نے ساغر کا کلام سن کر بہت داد اور انعامات سے نوازا۔انھی ایام میں غالب کی مرقد کی زیارت بھی کی۔"(۲)

ساغر نے پہلی بار اسٹیج پر آکر نظمیں جلیانوالہ باغ میں لگ بھگ تیس چالیس ہزار کے مجمعے میں پڑھیں،امرتسر میں دوسری جنگ عظیم کی باغی آزاد ہند فوج کے تین جرنیلوں کے استقبال کے لیے منعقدہ جلسے میں نظمیں پڑھی گئیں جن میں سے ایک نظم کا ایک شعر ہے:

ہو جس کا رخ ہوائے غلامی پہ گامزن
اس کشتیٔ حیات کے لنگر کو توڑ دو

ساغر کی زندگی میں آنے والی اہم شخصیات میں نفیس خلیلی ،ظہیر کاشمیری ،مرزا جانباز، امین گیلانی،احمد راہی، ساحر لدھیانوی، نریش کمار شاد مرحوم ،لطیف انور گورداسپوری شامل رہے۔عطاء اللہ شاہ بخاری سے ملاقات رہی۔لدھیانہ میں مولانہ عزیز الدین عظامی سے ملے عظامی مولانا گرامی کے شاگرد اور فارسی کے اچھے شاعر تھے۔(۳)

ساغر تقسیم برصغیر کے بعد سے تا دم مرگ لاہور میں قیام کیا۔اس بارے میں یوں بتایا:

"۱۹۴۷ءمیں تقسیم ہند کے وقت میری عمر انیس برس تھی۔جیسے جیسے حالات کا ارتقا جاری رہا میرا شعور اسرار ہائے کائنات کا حامل ہوتا گیا۔تقسیم کے بعد سے صرف شعر لکھتا ہوں۔شعر پڑھتا ہوں۔شعر کھاتا ہوں اور شعر پیتا ہوں۔"(۴)

یہ سچ ہے کہ شعر ہی ساغر کا اوڑھنا بچھونا تھے اور یہی ذریعہ معاش بھی تھا۔جب ان سے کہا جاتا کہ کوئی کام کیوں نہیں کرتے تو جواب ایک ہی ہوتا کہ جس کام کے لیے پیدا ہوا ہوں وہی کر رہا ہوں۔یونس ادیب نے لکھا ہے:

" ساغر کا کام شعر کہنا تھا اور اس کام کو وہ بہادروں کی طرح کر رہا تھا۔وہ معاشرے کے گہرے شعور کے ساتھ تحقیق فن میں مگن تھا۔اتنا مگن کہ اسے اپنے آپ کا بھی ہوش نہ رہا۔ ۔۔۔اس معاشرے میں زندہ رہنے کے لیے مدہوشی ساغر کے لیے بہت ضروری تھی۔اس کی راہیں بند تھیں اس کے گرد محرومیوں کا جال تنگ ہوتا جارہا تھا اور زندگی کی جس سچائی کا وہ مبلغ تھا وہ اسے کہیں بھی نظر نہ آتی تھی اور جن بے حسی کی دیواروں میں گھرا ہوا تھا انہیں توڑنے کے لیے اس کے پاس صرف احساس کا ہتھیار تھا، جسے تیز اور منتقل کرنے کے لیے وہ مدہوشی کے گنگناتے بادلوں سے گہری دوستی کر چکا تھا۔"(۵)

ان کے شعری مجموعے غم بہار۔زہر آرزو۔لوح جنوں۔شب آگہی تیشہ دل۔مقتل گل اور سبز گنبد ہیں۔ان مجموعوں کی اشاعت کی کہانی بھی دلچسپ ہے کہ ساغر مختلف پبلشروں کے ہاں جاتے تھے اور پبلشرز ان سے پانچ پانچ روپے کے عوض اشعار اور غزلیں لکھوا لیتے تھے اور یوں شعری مجموعے لوح جنوں، غم بہار اور شب آگہی شایع ہوئے۔اس بارے میں یونس ادیب نے تفصیل سے لکھا ہے:

" ۔۔۔کوئی سہرا لکھوانے آجاتا تو ساغر سہرا لکھنے کے معاوضے کی رقم میں سے صرف پانچ روپے اٹھا کر کہتا:

فقیر کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں اور اس کی اس بات سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ ساغر کی قیمت صرف پانچ روپے ہے۔ قوال اس سے اس کا صوفیانہ کلام اور نعتیں لے جاتے، محفلوں میں ہزاروں روپے کماتے اور ساغر کو صرف کیپسٹن کی ڈبیا دے کر چلے جاتے۔ مہدی حسن خواجہ شفیع سے اس کی غزل چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے، لے گیا اور اس کی

آواز سے یہ غزل بھارت والوں کے پاس چلی گئی۔ ایک دن ساغر سوتر منڈی کی میں ایک پان کی دکان کے سامنے سے گزر رہا تھا تو آل انڈیا ریڈیو کے کسی اسٹیشن سے کوئی گائیک اس کی یہی غزل گا رہا تھا۔ ساغر رک گیا اور غزل کے اختتام پر اناونسر نے جب کہا:

ابھی آپ پاک و ہند کے مشہور شاعر ساغر صدیقی کی غزل سن رہے تھے۔ تو ساغر ہنس کر کہنے لگا:

واہ۔ اُن کو معلوم ہی نہیں کہ ساغر کس حال میں زندہ ہے۔ اچھا اللہ وارث ہے"(۶)

ساغر کی شاعری شاداب ذہن اور مترنم دل کی ترجمان ہے۔ زندگی تو ان کے لیے جبر مسلسل تھی ہی جس کے لیے یوں کہا:

یہ حیات کی کہانی ہے فنا کا ایک ساغر
تو لبوں سے مسکرا کے اس جام کو لگا لے(۷)

ایسے ہی انھوں نے مسکرا کر ایام کی تلخی کو نا صرف سہا بلکہ اپنی شاعری کو محرومیوں کا دفتر و انبار بھی نہیں بنایا۔ سبز گنبد، زہر آرزو، شب آگہی، لوح جنوں، شیشہ دل، غم بہار اور مقتل گل کی صورت ان کی شاعری نے اعتبار پایا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی شاعری کے بے شمار انتخاب اور مجموعے ناشرین کتب کی کاروباری ہوس کے نتیجے میں منظر عام پر آئے۔ یہ فکر ساغر کے فروخت کرنے والے تھے لیکن ساغر تو خریداروں سے مخاطب رہا:

فکر ساغر کے خریدار نہ بھولیں گے کبھی
میں نے اشکوں کے گہر تھے جو بنائے پتھر(۷)

ساغر ایک ایسا شاعر ہے کہ جس کی زندگی کے اندھیروں نے اس کی شاعری کی تابندگی کو زیادہ متاثر نہ کیا اور شاعری کی تازگی بحال رہی۔ جب بھی ان کی زندگی اور شاعری کو ملا جلا کر دیکھنے کی کوشش کی جائے گی تو اس میں صوفیانہ جھلک کی موجودگی لازم ہو جائے گی جیسا کہ فرخندہ لودھی کو یہ جھلک پنجابی صوفیانہ شاعری کا ہی ایک سلسلہ نظر آئی تو انھوں نے یوں لکھا:

"مجھے یہ معلوم نہیں کہ ساغر صدیقی کس قبیل کا آدمی تھا۔ وہ قلندر تھا بھی یا نہیں؟ عرفان و آگہی کی کونسی منزل اس کا مطمح نظر تھی۔ میں نے جب اس کی شاعری پڑھی تو فقط اتنا اندازہ ہوا کہ وہ مقتول ہے۔ جسمانی طور پر ہمارا شکار۔ وہ کس پامردی سے قتل ہوا اور پھر اپنی بے گور لاش اپنے کندھوں پر اُٹھائے شہر کی گنجان سڑکوں پر پھرتا رہا۔ چوراہوں پر مجمعے لگاتا رہا

اور شعر و سخن کو پنجاب کی صوفیانہ روایت کے مطابق نبھاتا رہا۔ شاہ حسین، بلھے شاہ، وارث اور میاں محمد بخش کے قلندرانہ مسلک کا پیرو شاعر، ساغر صدیقی انہی حالوں موت سے ہم کنار ہوا جو ایسے بڑے شاعروں کا مقدر ہوتی ہے۔ ان شاعروں اور ساغر صدیقی میں صرف زبان کا فرق ہے ورنہ وہ اسی روایت کو لے کر لاہور کے گلی کوچوں بدروؤں، فٹ پاتھوں پر ڈیرا لگاتا تھا جو پنجاب کے بڑے صوفی شعرا کی ریت تھی۔"(۸)

لیکن فرخندہ لودھی کے اس خیال سے یوں اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ صوفیانہ رنگ کی بجائے ہمیں ساغر کے ہاں درویشی، بے نیازی اور آوارگی کا پہلو نظر آتا ہے۔ یہ ان کے تجربات تھے ان کے ہاں بے نیازی کی شان خود داری کے ساتھ ساتھ راہ پاتی نظر آتی ہے۔ لیکن اس اظہار میں رقیقیت یا سوقیانہ پن نہیں ہے۔ اسے درویشی کا اعلیٰ معیار کہہ سکتے ہیں:

آوارگی برنگ تماشا بری نہیں
ذوق نظر ملے تو یہ دنیا بری نہیں

خود منانے کے لیے آئے مجھے دیر و حرم
سجدہ الہام پایا بندگی سے روٹھ کر

گر بتا دیں گے بادشاہی کے
ہم فقیروں سے دوستی کر لو

میں ایک مرد قلندر میں ایک دیوانہ
طلوع نور سحر سے خطاب کرتا ہوں

ساغر اپنی عاجزی کے مدارج کو بھی بیان کرتے نظر آتے ہیں:

عجز کی روشنی میں اے ساغر
ہم نے بام عروج تک دیکھا(۹)

درویشی اور آوارگی، قناعت اور بے نیازی کا موضوع ساغر کے ہاں بار بار ملتا ہے لیکن ہر بار نئی لفظیات اور نئے پیرہن میں ملتا ہے۔ اس درویشی کے ساتھ ان کے ہاں خمریات کا پہلو بھی ملتا ہے جو بے نیازی کی کیفیت کو مضبوط کرتا نظر آتا ہے۔ ساغر نے خمریاتی لفظیات کا استعمال کلاسیکی روایت کے تحت نہیں کیا بلکہ ان کے ہاں غم اور سوز کی توسیع کے طور پر ملتا ہے۔ کہیں بے بسی اور مجبوری کی ترجمانی کے لیے اور کہیں صرف اور صرف خمریات اور اس کی مناسبت سے دیگر لوازم کا ذکر نظر آتا ہے:

لوگ کہتے ہیں رات بیت چکی
مجھ کو سمجھاؤ ! میں شرابی ہوں

ساغر مے خانے میں ہو گا
چھوڑ بھی دو پگلے کی بات

میں گردش حالات سے گھبرا کے پی گیا
غم کی سیاہ رات سے گھبرا کے پی گیا
میں آدمی ہوں کوئی فرشتہ نہیں حضور
میں آج اپنی ذات سے گھبرا کے پی گیا

آپ بھی دو چار قطرے پی کے میرے جام کے
اہل دل، اہل وفا، اہل نظر ہو جایئے(۱۰)

گل، پھول، بہار اور خزاں کے الفاظ و استعارات ساغر کے ہاں بارہا نظر آتے ہیں۔ بہت سی غزلوں کی ردیف ہی پھول ہے۔

کھلتے رہیں گے صحن چمن میں ہزار پھول
لیکن کہاں نصیب تمنا میں چار پھول
شاید یہیں کہیں ہو ترا نقش پائے ناز
ہم نے گرا دیے ہیں سر رہ گزار پھول

جس پر پڑے بہار میں صیاد کی نظر
ہوتا ہے گلستاں میں وہی شاہ کار پھول(۱۱)

ان کی شاعری کے آخری حصے پر نظر کریں تو پھولوں سے بھرا چمن کچھ پژمردہ نظر آنے لگتا ہے کیوں کہ زندگی کرنے کو جو جگر چاہیے وہ چھلنی ہو چکا تھا۔ گرمی بازار محبت سرد پڑتی جارہی تھی:

احساس گراں بار ہے دل ڈوب رہا ہے
پژ مردہ چمن زار ہے دل ڈوب رہا ہے
خاموش ہوئی گرمیٔ بازار محبت
اب کون خریدار ہے دل ڈوب رہا ہے(۱۲)

ساغر نے غزل، رباعی، مثنوی اور گیت میں طبع آزمائی کی۔ طویل اور مختصر بحور کے تجربات کیے۔ اور زبان ایسی شستہ اور ستھری کہ خود کہتے تھے: میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شاید ہی میں نے آج تک اردو زبان کا کوئی لفظ غلط پڑھا یا لکھا ہو۔ (حدیث ساغر بزبان ساغر)

ساغر کی شاعری میں رومانی طرز کے ساتھ ساتھ انقلابی رو بھی نظر آتی ہے۔ موضوعاتی سطح پر غزل بھی تغزل کے تمام معیارات پورے کرتی ہے۔ وہ جس عہد کے شاعر تھے اس دور میں انقلابی رو عام تو تھی ہی لیکن فیض احمد فیض اور حبیب جالب کی اپنے اپنے دائرے میں منفرد انقلابی شاعری کا جو نقش قائم ہو چکا تھا اس میں ساغر کینا آواز دب نہیں گئی ان کے معروف شعر

جس عہد میں لٹ جائے غریبوں کی کمائی
اس عہد کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے(۱۳)

اور صدر ایوب خان کا واقعہ ساغر کی انقلابی ضرب ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ دولت اور جاہ و حشمت کے حصول کی دوڑ میں مصروف معاشرے میں ساغر کی شاعری ایک احتجاجی چیخ کی طرح ہے

کہہ رہے ہیں چند بچھڑے رہروؤں کے نقش پا
ہم کریں گے انقلاب جستجو کا اہتمام

تیری عصمت ہو کہ میرے ہنر کی چاندنی
وقت کے بازار میں ہر چیز کے لگتے ہیں دام(۱۴)

اس انقلابی آواز میں کہیں امید اور رجائیت ہے اور کہیں مایوسی کی لہرا بھرتی نظر آتی ہے۔

ماحول کے تپتے صحرا سے حالات کی اجڑی شاخوں سے
ہم اہل جنوں پھولوں سے بھرے دامن کی توقع رکھتے ہیں

طلوع آفتاب نو ہمارے نام پر ہوگا
وہ جن کی خاک کے ذرے ہیں خورشید وطن ہم ہیں

مرے نکتہ سازو! سخن کے خداؤ
یہ کہہ دو کہ لوح و قلم سو رہے ہیں

روشن ہمی سے منزل ہستی کے مرحلے
ہم کارواں کے ساتھ بہت دور تک چلے

اس شام غم کے بعد ہے اک ایسا راستہ
جس میں چراغ جلتے ہیں ظلمات کے تلے

ہمیں زیبا نہیں دیتا رہ دشوار کا منظر
کہ صحراؤں میں بھی برسات کی تعلیم دیتے ہیں(۱۵)

غم حیات کی تمام تر تلخی کے باوجود ساغر مایوسی اور قنوطیت نہیں رجائیت کا شاعر ہے۔

ساغر کی شاعری غم دوراں کے بیان، مذہبی جذبات، روایتی عشقیہ جذبات، عظمت انسانی کے احساس اور رجائی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہوئی شاعری ہے۔ قیام پاکستان کے بعد حساس شاعر اور بھی زیادہ حساس ہو گیا اور جذبات نے جو راہ ڈھونڈی وہ کہیں کہیں فیض احمد فیض کا رنگ بھی چھلکاتی ہے، گو کہ فیض کا انقلابی رنگ بہت منجھا ہوا اور پختہ ہے لیکن ساغر کے ہاں اس رنگ کی ایک کرن سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا ساغر کے ہاں یہ رنگ رجائیت کے پہلو کو سمیٹے ہوئے ہے، مثال کے طور پر: ائی کی۔ طویل اور مختصر بحور کے

تجربات کیے۔ اور زبان ایسی شستہ اور ستھری کہ خود کہتے تھے: میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے آج تک اردو کا ایک بھی لفظ غلط نہیں پڑھا اور غلط نہیں لکھا۔

چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے
ذرا نقاب اٹھاؤ بڑ اندھیرا ہے
وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں
انھیں کہیں سے بلاؤ بڑا اندھیرا ہے

یہ جو دیوانے سے دو چار نظر آتے ہیں
ان میں کچھ صاحب اسرار نظر آتے ہیں
کل جنھیں چھو نہیں سکتی تھی فرشتوں کی نظر
آج وہ رونق بازار نظر آتے ہیں(۱۶)

اس انقلابی شاعری میں لفظیات وہی استعمال ہوئی ہیں جو اس دور کی انقلابی شاعری کا خاصہ ہیں یعنی لوح و قلم، اہل جنوں وغیرہ۔ اس موڑ پر ساغر کی شاعری ترقی پسند تحریک کے ساتھ ساتھ چلتی نظر آتی ہے۔ شاعر کے لیے اپنے دور کی ادبی تحریکوں سے متاثر ہونا اور اس امر کا اظہار کرنا فطری امر ہے۔ ہر شاعر کی طرح ساغر کو بھی اپنی شاعرانہ حیثیت کا ادراک تھا اور یہ ادراک تعلی میں بھی ڈھلتا نظر آتا ہے:

میرے نغموں میں ڈوب جاتی ہے
فیض اور قاسمی کی شہنائی(۱۷)

یہ شاعرانہ تعلی ساغر کے عجز و نیاز کو گہناتی نہیں ہے بلکہ ان کی شخصیت کا فطری پہلو سامنے لاتی ہے۔ ساغر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں عقیدت کے جو پھول نچھاور کیے ہیں ان کی شاعری کا ایک اہم اور فراموش کردہ پہلو ہے۔ عام طور پر ان کی غزلیں اور فلمی گیت مقبول ہوئے۔ سبز گنبد کے عنوان سے مجموعہ جس میں نعتیہ کلام، منقبت اور رباعیات ہاہو کا ترجمہ ہے وہ ان کی زندگی اور کلام کے ایک روشن پہلو کو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے ہاں نعت کا جو رنگ موجود ہے اس میں آرزو اور مناجات و دعا کا پہلو غالب ہے۔ آرزو ہے تو یوں:

یہ کہتی ہیں فضائیں زندگی دو چار دن کی ہے
مدینہ دیکھ آئیں زندگی دو چار دن کی ہے

سنہری جالیوں کو چوم کر کچھ عرض کرنا ہے
مچلتی ہیں دعائیں زندگی دو چار دن کی ہے(۱۸)

اس مجموعے کا عنوان سبز گنبد اپنی معنویت میں اکمل اور جامع ہے۔ ایک سے زائد مقامات پر سبز گنبد کی حرمت اور تقدس کا تذکرہ ہے:

در مصطفائی کی سطوت نہ پوچھو
جھکاتا ہے شاہوں کے سر سبز گنبد
برستے ہیں راحت کے اسرار ساغر
ہے ظلمت میں فرد سحر سبز گنبد(۱۹)

سبز گنبد کے ہالے کو حمدیہ اشعار میں بھی یوں پیش کرتے ہیں کہ دعا کی قبولیت کا وسیلہ بن جاتا ہے:

مری عرض سن کملی والے کا صدقہ
تجھے سبز گنبد کے ہالے کا صدقہ(۲۰)

ساغر کے نزدیک متاع قرار نظر، کمال جہان بشر، تسکین قلب و جگر اور ظلمت مین فرد سحر سبز گنبد ہی ہے اور اپنے نعتیہ اشعار کو انھوں نے ہمیشہ زندگی کے ماہ پارے تصور کیا:

سبز گنبد کے لیے اشعار ساغر مرحبا
جگمگا کر زندگی کے ماہ پارے ہو گئے (۲۱)

ساغر کی شاعری انسانی عظمت کا پتا دیتی ہے۔ احساس رائیگانی، پائمالی اور محرومی ان کے ہاں موجود ضرور ہے لیکن جب رجائیت کی ایک جھلک بھی نظر آجائے تو عظمت انسانی بھی ساتھ یوں مل جاتی ہے:

غم انسان کی اک صورت عبادت خیز ہوتی ہے
کسی کے کام آئیں زندگی دوچار دن کی ہے(۲۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ ساغر کی شاعری کو وہ مقام نہ دیا گیا جس کی وہ متقاضی یا یوں کہنا چاہیے کہ حق دار تھی۔ ساغر جو یہ کہہ گیا:

یاد رکھنا ہماری تربت کو
قرض ہے تم پہ چار پھولوں کا
یہ قرض آج بھی واجب الادا ہے۔ (۲۳)

روایتی رنگ شاعری کی جھلک بھی موجود ہے لیکن محبوب کا ایک کلی تصور نہیں ملتا اس کی جگہ جذبات اور خیالات کی ترجمانی ضرور ہے اور روایتی رنگ میں ہی ہے:

آج روٹھے ہوئے ساجن کو بہت یاد کیا
اپنے اجڑے ہوئے گلشن کو بہت یاد کیا

خوشا کہ باغ بہاراں ہے زندگی اپنی
کسی کے غم سے فروزاں ہے زندگی اپنی

دیکھ تشنہ لبی کی بات نہ کر
آگ لگ جائے گی پیالوں کو(۲۴)

ساغر کی شاعری میں اس زندگی کی عکاسی بھی ہے جو انھوں نے گزاری ہے۔ایک بھرپور زندگی گزار کر مفلوج ہاتھ اور محفوظ ذہن کی ترجمان بھی یہی شاعری ہے۔ایک مقام پر ان کی شاعری زندگی کی ترجمان اور زندگی شاعری کی شرح بن کر سامنے آتی ہے:

چھلک رہے ہیں کئی حسرتوں کے پیمانے
لہو سے دل کے چراغاں ہے زندگی اپنی
غم حیات نے ڈالے ہیں ہاتھ بڑھ بڑھ کے
کہ بے وطن کا گریباں ہے زندگی اپنی
ترا جہان ہے کیا ایک آئینہ خانہ
کہ جس میں ششدر و حیراں ہے زندگی اپنی
نہ جانے کون سا لمحہ چرا کے لے جائے
متاع گردش دوراں ہے زندگی اپنی

نہ کوئی پھول نہ ساغر نہ ماہتاب نہ تو
بجھا ہوا سا شبستاں ہے زندگی اپنی(۲۵)

ساغر کا تخیل رسا نظر آتا ہے۔ یہ دائرہ تنگ یا محدود نہیں ہے بلکہ اس کی وسعت اتنی ہے کہ کائنات کے دیگر موضوعات بھی اس میں سمٹ آتے ہیں۔ اس وسعت کے لیے مشاہدہ بہت ضروری ہے اور ساغر کا مشاہدہ کمال کا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ جذباتی حوالے سے بھی شاعری کر پائے

چمن سے برق و شرر سے خطاب کرتا ہوں
شعور و فکر و نظر سے خطاب کرتا ہوں
قدم قدم پہ کھلاتا ہوں گل معانی کے
جہان شمس و قمر سے خطاب کرتا ہوں(۲۶)

تخیل ہی تو شاعری کی بنیاد ہے دیگر معیارات اس کے بعد جگہ پاتے ہیں۔

ہم بنائیں گے یہاں ساغر نئی تصویر شوق
ہم تخیل کے مجدد ہم تصور کے امام
جبیں پہ سطوت الہام کے تقاضے ہیں
زبان قلب و جگر سے خطاب کرتا ہوں
میں ایک مرد قلندر میں ایک دیوان
طلوع نور سحر سے خطاب کرتا ہوں

بہر صورت ہماری ذات سے ہیں سلسلے سارے
جنوں کی سادگی ہم ہیں خرد کا بانکپن ہم ہیں(۲۷)

ساغر کی حیات اور پھر بعد از مرگ ان کی اندگی اور معمولات زندگی کو موضوع تنقید بنایا گیا لیکن شاعری پر بات کم ہوئی۔ یونس ادیب کی تصنیف 'ساغر: شخصیت، فن اور کلام' اس سلسلے میں تقریباً پہلا قدم ثابت ہوئی بعد ازاں ایک دو ادبی رسائل کے خاص نمبر سامنے آئے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کی ساغر کی شاعری نے بقا کی جنگ لڑی اور آج بھی اردو شاعری پڑھنے والے ان کی اہمیت ست آشنا ہیں۔ ظہیر احمد ظہیر نے "عظمت ساغر" کے زیر عنوان کیا خوب صورت خراج تحسین پیش کیا ہے:

اپنے سینے سے لگائے رنج و غم کی داستاں
درد میں ڈوبا ہوا اک نغمۂ مضراب تھا
کالی چادر میں چھپائے اپنی عظمت کا نشاں
وہ زمانے کے ستم کا اک سنہری باب تھا
وہ سدا جلتا رہا ہے بے حسی کی دھوپ میں
اس کا سینہ دوستوں کے درد سے معمور تھا
وہ تخیل کا مجدد وہ تصور کا امام
کن اندھیروں میں وقار آدمیت کھو گیا
گردش دوراں بھی جھک کر اس کو کرتی ہے سلام
جانے ساغر کون سی بستی میں جا کر سوگیا(۲۸)

☆☆☆☆☆

حوالے

۱۔ ساغر صدیقی، لوح جنوں،(لاہور: مکتبہ شعر و ادب، س۔ن)۔
۲۔ یونس ادیب، ساغر صدیقی: شخصیت، فن اور کلام، (لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز)،۷۔
۳۔ ایضاً،۹۔
۴۔ ساغر صدیقی، حدیث ساغر، بزبان ساغر، لوح جنوں، (مکتبہ شعر و ادب)۔
۵۔ یونس ادیب، ساغر صدیقی: شخصیت، فن اور کلام،۱۳۔
۶۔ ساغر صدیقی، لوح جنوں،۳۔
۷۔ ساغر صدیقی، مقتل گل، (لاہور، مکتبہ شعر و ادب،۱۹۴۷ء)،۲۷۔
۸۔ فرخندہ لودھی، بندہ شعور، ماہ نو ساغر صدیقی نمبر، جلد ۷۵، شمارہ ۰۲،۲۹۔
۹۔ فرحت صبا، دیوان ساغر، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند)،۲،۴۴،۵۔
۱۰۔ ایضاً،۳۳،۳۷،۱۹،۵۶۔
۱۱۔ ساغر صدیقی، کلیات ساغر،(لاہور، الریاض ناشران،۲۰۱۵ء)،۸۱۔
۱۲۔ ساغر صدیقی، مقتل گل،۲۲۔
۱۳۔ ساغر صدیقی، کلیات ساغر،۱۷۔
۱۴۔ ایضاً،۲۴،۲۵۔

۱۵۔ ایضاً،۷،۳،۱۳،۱۱،۶۶۔

۱۶۔ ایضاً،۴۴،۴۶۔

۱۷۔ ایضاً،۲۳۔

۱۸۔ ساغر صدیقی، سبز گنبد، (لاہور،مکتبہ شعر وادب)،۷۔

۱۹۔ ایضاً،۱۹۔

۲۰۔ ایضاً،۲۸۔

۲۱۔ ایضاً،۳۳۔

۲۲۔ ایضاً،۴۵۔

۲۳۔ ساغر صدیقی، کلیات ساغر،۹۱۔

۲۴۔ ایضاً،۱۰۲،۹۳،۳۴۔

۲۵۔ ساغر صدیقی، لوح جنوں،۱۱،۱۲۔

۲۶۔ ساغر صدیقی، کلیات ساغر،۳۲۔

۲۷۔ ایضاً،۲۲،۲۸۔

۲۸۔ ظہیر احمد ظہیر،عظمت ساغر، ماہ نو ساغر صدیقی نمبر،ص ۲۴۔

References

1. Lauh-e-Junoon,Saghar Siddiqui,Maktaba-e- she’r-o-Adab.
2. Saghar Siddiqui:Shakhsiat,funn aur kalam, Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, p7
3. ibid, p9
4. Hadees-e Saghar ba zaban-e- Saghar, Lauh-e- Junoon, Saghar Siddiqui, Maktaba-e She’r-o-Adab
5. Saghar Siddiqui:Shakhsiat,funn aur kalam, pg 13
6. Lauh-e-junoon, pg 3
7. Maqtal-e-Gul, Saghar Siddiqui, Lahore: Maktaba-e She’r-o-Adab,1947,pg27
8. Farkhanda Lodhi, Banda-e-Shaoor, Mah-e-Nau(Saghar Siddiqui Number)Vol:75, issue:02, pg 29.
9. Deewan-e-Saghar edited by Farhat Saba,Dehli: Anjuman Taraqqi urdu(India), pg 2,44,5.
10. As above pg 33,37,19,56

11. Kulliyat-e-Saghar, Saghar Siddiqui,Lahore:Al Riyaz nashiraan,2015,pg 81
12. Maqtal-e-Gul,pg 22
13. Kulliyat-Saghar,pg 17
14. ibid, pg 24,25
15. ibid, pg 37,13,11,66
16. ibid,pg44,46
17. ibid, pg 23
18. Sabz Gumbad, Saghar Siddiqui,Lahore:Maktaba-e- She'r-o-Adab,pg 7
19. ibid pg 19
20. ibid,pg 28
21. ibid,pg 33
22. ibid,pg45
23. Kulliyat-eSaghar,pg 91
24. ibid pg 102,93,34
25. Luh-e-Junoon,pg 11,12
26. Kulliyat-eSaghar, pg 32
27. ibid pg 22,28
28. Azmat-e-Saghar, Zaheer Ahmed Zaheer,Mah-e-Nau Saghar Siddiqui Number, pg 24

❖❖❖